ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

رحمۃ للعالمین — بحیثیت انسانِ کامل

اس اہم اور مقدس مضمون پر اظہارِ خیال کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ از رہِ تمہید انسان اور کمال کے تصورات کی نسبت مختصراً کچھ عرض کیا جائے۔ اس کائنات میں مخلوقات کے جو لاتمناہی اقسام ہیں ان میں سب سے زیادہ عسیر الفہم ہستی انسان ہے۔ انسان نے خاک و باد و آب و آتش اور مظاہرِ فطرت کی نسبت بہت کچھ یقینی علم حاصل کر لیا ہے اور اس یقینی علم کی بدولت انسان خارجی فطرت کا مسخر بنتا چلا جاتا ہے لیکن خود اپنی نسبت اس کا علم ابھی ابجد سے آگے نہیں بڑھا۔ اپنی نسبت اس کا علم ابھی تک ظنّی ہے۔ مگر جنون کی طرح ظنون کے بھی بے شمار اقسام ہیں۔ انسان نے اپنی نسبت متضاد تصورات قائم کر رکھے ہیں اور اس تضاد کو رفع کرنا مقصودِ عقل و حکمت اور غایتِ اخلاق و ایمان ہے۔ مگر یہ کام نہایت درجہ دشوار اور محال معلوم ہوتا ہے۔ طبیعی حکمائے مادیین نے انسان کو لامحدود مادی کائنات کا ایک اتفاقی مظہر اور آنی جانی کیفیت قرار دیا۔ ہستیِ بے مقصود کے بحرِ متلاطم میں چند لمحوں کے لئے ابھرنے اور جلد بے پروا موجوں سے دوبارہ ہم کنار ہونے والا حباب ناپائدار، زمان و مکان کی آفاقیت کا ایک تغیر پذیر اور بے ثبات شائبہ۔ دوسری طرف آیڈیالسٹوں نے اس کو مصدر و محورِ ہستی بنا دیا۔ بقول عارفِ رومی :

قالب از ما ہست شد نے ما ازو
بادہ از ما مست شد نے ما ازو

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ یہ جہانِ بے پایاں بظاہر ہم ایام میں غرق معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ زمان و مکانِ لامحدود سب کا سب اس ایک جام میں غرق ہے جو انسان کا نفس یا دل ہے۔ مذاہب حکماء ہوں یا ادیانِ عالیہ سب کے سب انسان کی متضاد فطرت کو علی الاعلان پیش کرتے ہیں۔ انسان ایک طرف مسجودِ ملائک ہے تو دوسری طرف مردودِ خلائق۔ یہ احسن تقویم والی مخلوق گرتی ہے تو اسفل السافلین کی تاریک گہرائیوں میں پہنچ جاتی ہے۔ اور اوپر اٹھتی ہے تو اس کے ڈانڈے الوہیت سے جا ملتے ہیں اور تخلقوا باخلاق اللہ کا کٹھن راستہ طے کرنے کے بعد مجاہدہ اور معرفت اس کو حقیقتاً ازلی کا اس درجہ ہم صفت بنا دیتے ہیں کہ آگ میں پڑے ہوئے لوہے کی طرح بشریت اور الوہیت کا امتیاز دشوار ہو جاتا ہے۔ ایک طرف وہ اس امانت کا امین ہے جس کو قبول

کرنے میں ارض وسما لرز گئے۔ لیکن یہ اہم امانت قبول کرنے والا ظلوماً جھولاً اور دیوانہ بھی ہے۔
بقول غالب:

بردہ آرم ازامانت ہرچہ گردوں برنتافت — ریخت مے بر خاک چوں در جام گنجیدن نداشت

یا بقول حافظ:

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید — قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

کسی نے اس کو مجبورِ محض قرار دیا اور کسی نے اس کو اپنی تقدیر کا معمار تصور کیا۔ میر تقی کہتا ہے:

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی — جو چاہیں سو آپ کرے ہیں، ہم کو عبث بدنام کیا

آزاد کا یہ فتویٰ ہے:

جہازِ عمرِ رواں پر سوار بیٹھے ہیں — سوارِ خاک ہیں بے اختیار بیٹھے ہیں

اس جبر کے مقابلے میں علامہ اقبال کی تلقینِ خودی ہے:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے — خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

منطق خواہ کچھ ہی کہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ اختیار کے بغیر چارہ اور نہ صبر سے گریز۔ انسان کی نسبت جتنی باہم متضاد باتیں کی گئی ہیں ان سب میں ہر ایک جزئی صداقت کی حامل ہے۔ انسان عقل کے جوہر سے مشرف ہے لیکن اس عقل کو عنان گسیختہ جذبات کا غلام بھی انسان ہی بناتا ہے۔ انسان فطرت کا عظیم الشان شاہکار بھی ہے۔ اور فطرت کی سب سے خطرناک لغزش بھی۔ قرآن کریم کو اس نظر سے پڑھئے تو اس مخلوق کا عجیب نقشہ نظر آتا ہے۔ از روئے قرآن یہ بھی درست ہے کہ انسان کو خدا نے اپنی فطرت کے مطابق بنایا۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا۔ لیکن یہ انسان ناشکرا لربہ لکنود بھی ہے۔ خلق من عجل جلد باز بھی ہے۔ کبد یا درد و کرب بھی اس کی فطرت کا لازمی جزو ہے۔ انسان کی زندگی کا سودا زیادہ تر گھاٹے ہی کا سودا ہے۔ ان الانسان لفی خسر انسان آزادی کا خواہاں ہے اور دین بھی حریت کی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن وہ خود اپنے آپ کو توہمات اور حرص وہوس کی زنجیروں میں جکڑتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ انسان عقل و ایمان اور جذباتِ شہوان کی مخالف لہروں میں پڑتا ہوا ایک بھنور رہ جاتا ہے۔

اسلام اور اس کی کتابِ حکیم نے انسان کی یہ تمام کیفیتیں بیان کی ہیں لیکن ساتھ ہی یہ تلقین کی ہے کہ انسان کا فلسفۂ زندگی اور مقصودِ حیات یہی ہے کہ وہ زندگی کے تضاد کو رفع کرتا ہوا مسلسل اس وحدت کی طرف قدم بڑھائے جو مصدرِ حیات و کائنات ہے اس لحاظ سے دین اور حکمتِ عقلی میں کوئی تضاد نہیں۔ دین کی تعلیم بھی یہی ہے کہ تمام ہستی اپنی کثرت و تنوع کے باوجود ایک وحدت سے سرزد ہوئی ہے جو کثرتِ موجودات اور ظاہری تنوع کی شیرازہ بند ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون کا یہی گہرا مفہوم ہے۔ کہ ہمارا ماخذ ایک وحدتِ خلاق ہے اور مقصودِ حیات پھر اسی کی طرف عود کرنا ہے۔ کل شیٔ یرجع الی اصلہ:

ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش   باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

عقل و حکمت کا بھی یہی وظیفہ ہے کہ مظاہر فطرت خارجی ہوں یا مظاہر نفسِ انسانی غرضیکہ ہر جگہ انفس و آفاق میں ان قوانین کی جستجو کرے جن کی نسبت قرآن حکیم نے لاتبدیل لخلق اللہ کہا اور اسی کو دینِ قیم قرار دے کر دین اور حکمت کو ہم آغوش کر دیا ہے۔ دین ہو یا علم یا اخلاق سب رفع اضداد کی مختلف کوششیں ہیں۔

آیئے اس لحاظ سے اسلام اور اس کے پیش کرنے والے رحیم و حکیم نبی کی تعلیم اور زندگی پر ایک طائرانہ نظر دوڑائیں۔

بہت سے فلسفے اور کئی ادیان زندگی کے ظاہری اور باطنی اضداد سے گھبرا گئے۔ کسی نے کہا کہ یہ متغیر عالم غیر حقیقی اور فریب ادراک یا مایا ہے اور گیان کے ذریعے سے اس فریب سے نجات حاصل کرنا زندگی کی غایت ہونی چاہیئے۔ کسی نے آرزوؤں کی اطمینان ناپذیر کشاکش سے بیزار ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ یہ دردِ سر ایسا ہے کہ سر جاتے تو جائے اس لئے اچھی اور بری تمام آرزوؤں کی بیخ کنی ہی سے نروان حاصل ہو سکتا ہے۔ یونانیوں نے کہا کہ عالم حقیقی اعیانِ ثابتہ کا عالم عقلی ہے اور متغیر مظاہر کا عالم بے حقیقت اور بے ثبات ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتنا نہیں۔ کسی نے ایک عالم کی بجائے خیر و شر کے آفریدہ دو عالم بنا دیئے ان میں سے ایک آفریدۂ یزداں اور دوسرا آفریدۂ اہرمن۔ اسلام نے سورۂ فاتحہ کی پہلی ہی سطر میں ان تمام باطل نظریات کی تنسیخ کر دی۔ خالقِ کائنات کو رب یا پروردگار قرار دیتے ہوئے یہ بتا دیا کہ یہ رب کسی ایک عالم کا رب نہیں بلکہ رب العالمین ہے۔ تمام عوالم ایک ہی خالق کے آفریدہ اور ایک ہی پروردگار کے پروردہ ہیں۔ عالم جماد، عالم نبات، عالم حیوان، عالم انسان، عالم افلاک، عالم ملائکہ ایک ہی ہستی کے آفریدہ ہیں جو رحمان و رحیم ہے۔ رحمانیت میں رحمت کا جو مظہر ہے اس کا تعلق آفرینش سے ہے جس کی نعمتیں اور برکتیں مخلوقات کے اعمالِ حسنہ کا اجر نہیں بلکہ رحمت خلاقی کا نتیجہ ہیں۔ اس کے بعد شانِ رحیمی ہے جس کا ظہور انسانوں کی غلط روی کے بعد ہوتا ہے۔ اگر انسانوں کی ہر لغزش پر گرفت اور عذاب ہوتا تو زندگی محال ہو جاتی۔ خدا کے ہاں عدل بھی ہے لیکن اس کی رحمت اس کے عدل کو بھی محیط ہے اسی لئے رب العالمین کو رحمٰن و رحیم کہنے کے بعد مالکِ یوم الدین کہا گیا ہے تاکہ رحمت کی سبقت انسان پر واضح ہو جائے۔ جس طرح اسلام کا پیش کردہ خدا رحمۃ اللعالمین ہے اسی طرح اس کا نبیٔ کامل بھی رحمت کلی کا مظہر ہے۔ کئی مذاہب و ادیان نے اس کائنات ہی کو ملعون قرار دیا تھا۔ نبیٔ حکیم نے کہا کہ یہ کائنات نہ غیر اصلی ہے اور نہ باطل و مردود۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلا۔ خدا کی رحمت کل کائنات میں جاری و ساری ہے وہ کسی ایک عالم تک محدود نہیں۔ حقیقی معرفت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر عالم کو خدا کا ایک مظہر سمجھا جائے اور ہر مظہر میں خدا کی حکمتیں اور نعمتیں تلاش کی جائیں۔ رہبانیت کے مذاہب عالم مادی و جسمانی

کو ملعون سمجھ کر فکر و عمل میں اس سے نجات حاصل کرنے میں کوشاں تھے اور روحانیت کی تکمیل کے لئے دنیا سے روگردانی اور بدن آزاری کو لازم گردانتے تھے۔ نبی حکیم و رحیم نے یہ اعلان کر دیا کہ لا رھبانیۃ فی الاسلام۔ کوئی انسان دنیا کو رد کر کے نہ روحانیت میں ترقی کر سکتا ہے اور نہ خدا تک اس کی رسائی ہو سکتی ہے۔ انسان کے مقاصد اور جذبات میں بے شبہ تضاد پیدا ہوتا ہے لیکن اس کا علاج جذبات کشی نہیں بلکہ حدودِ عمل سے ان میں توازن پیدا کرنا ہے تاکہ جذبات کی قوتیں نہ باہم برسرِ پیکار رہیں اور نہ عقل و ایمان سے دست و گریباں ہوں۔ قرآن و حدیث میں کئی جگہ نفسِ امارہ اور جذبات کی سرکشی کے لئے شیطان کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ ہر شخص کے ساتھ اس کا ایک شیطان لگا ہوا ہے۔ سننے والے صحابی نے پوچھا کہ کیا حضور کے ساتھ بھی ہے۔ اس کا جو بصیرت افروز جواب دیا گیا اسلام کی تمام امتیازی شان اس کے اندر موجود ہے۔ فرمایا کہ ہاں میرے ساتھ بھی ہے لیکن میں نے اس کو مسلمان بنا کر اس کو اپنے ساتھ رکھا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ از روئے اسلام دنیا میں کوئی قوت ایسی نہیں جسے شرِ مطلق کہہ سکیں۔ زندگی کی اکثر قوتیں خواہ وہ مادی و طبعی ہوں یا نفسی بجلی کی طرح بے طرف قوتیں ہیں۔ خیر و شر کا مدار ان کے صحیح یا غلط استعمال پر ہے۔ دیکھئے رسولِ کریم کی رحمتِ کلی کی تعلیم جس میں جذبات و شہوات کی شیطنت بھی زاویۂ فکر و عمل کی تبدیلی سے معاونِ حیات اور ذریعہ ارتقاء بن سکتی ہے۔

کمالِ صفات کا تصور خدا کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے۔ خدا کی ذاتِ کاملہ کا فہم انسان کے لئے ممکن نہیں۔ خدا علم ہے لیکن اس کا علم انسانی قسم کا علم نہیں ہو سکتا جو مشاہدہ اور استقراء و استخراج اور علت و معلول کے روابط سے آشنا ہونے کا نام ہے۔ وہ سمیع ہے لیکن اس کا سننا اس قسم کی شنوائی نہیں ہو سکتا جو ہمارے آلۂ سماعت کی پیداوار ہے۔ وہ بصیر ہے لیکن اس کی بصارت ہماری آنکھوں کی بصارت کے انداز کی نہیں ہو سکتی۔ وہ رحیم ہے لیکن اس کے رحم میں وہ انفعالی کیفیت نہیں ہو سکتی جو انسان کے جذبۂ رحم میں پائی جاتی ہے :

ہیچ ماہیاتِ اوصافِ کمال　　کس نداند جز بآثار و مثال

ان صفات کا کمال صرف خدا ہی میں ہو سکتا ہے۔ بہت سے ادیان اس غلطی میں مبتلا ہو گئے کہ پیشوایانِ دین کو کامل ثابت کرنے کے لئے ان کو خدا کے صفاتِ کاملہ سے متصف کر دیا اور ان کو خدا کا اوتار بنا دیا۔ اس غلط انگاری سے نبوت الوہیت بن گئی۔ ان مذاہب نے یہ نہ سوچا کہ جب خود خدا ہی انسان کا روپ اختیار کر کے دنیا کی ہدایت کے لئے نازل ہو گیا تو انسانوں کے لئے وہ کس طرح نمونہ اور اسوۂ حسنہ بن سکتا ہے۔ انسان کی رہنمائی کے لئے تو انسان ہی کی اعلیٰ مثال کام آ سکتی ہے۔ ان ادیان کے مقابلے میں محمد رسول اللہ کا کمال انسانیت کا کمال ہے۔ یہ ایسے انسان کا کمال ہے جو انسانوں کے سامنے اپنے آپ کو بندۂ خدا کے طور پر پیش کرتا ہے اور خود معبود بننے کا خیالِ باطل اس کے واہمہ میں بھی نہیں گذر سکتا۔ وہ لوگوں سے کہتا ہے کہ میں عرصۂ دراز تک طالبِ حق اور سوچنے والا

انسان تھا اور مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ایمان کسے کہتے ہیں وہ ہدایت یافتہ ہونے کے بعد اپنے آپ کو خدا کا پیغام رساں کہتا ہے۔ وہ عالم الغیب ہونے کا مدعی نہیں۔ وہ راست بازی سے کہتا ہے کہ مجھے غیب کا بس اتنا ہی علم ہے جتنا کہ خدا مجھے بخش دے۔ وہ خدا کی معرفتِ کلی کا دعویٰ بھی نہیں کرتا۔ باقی انسانوں کے مقابلے میں بے حد حصولِ بصیرت و معرفت کے بعد بھی ما عرفناک حق معرفتک پکارتا ہے۔ اے خدا تیری ذاتِ مطلقہ کو کما حقہٗ جاننے کا دعوٰی کون کرسکتا ہے۔ وہ اپنے پیروؤں سے کہتا ہے کہ اُمورِ دنیا کا علم تم کو مجھ سے زیادہ ہو سکتا ہے۔ بشریت کے تقاضے سے مجھ سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ ان اعترافات سے کسی مخلص اور راست باز انسان کے کمال میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ درحقیقت کسی انسان کے لئے دعویٰ کمال خود نقص کی علامت ہے۔ رسولِ کریمؐ کا کمال بشریت اور عبودیت کا کمال ہے۔ رسولِ کریمؐ خدائے کامل نہیں بلکہ انسان کامل ہیں۔ اس برگزیدہ ہستی کا کمال صفات کی ہمہ گیری اور عمل کی جامعیت ہے جو خدا ان کو تمام عالم کے لئے ہمیشہ کے لئے اُسوۂ حسنہ بنانا چاہتا تھا۔ اس کی مشیت نے ان کو زندگی کے تمام مراحل میں سے گزارا اور ہر شعبۂ حیات اور ہر مرحلے میں ان کے فکر و عمل کا انداز اسی شعبے میں انسانوں کے لئے شمع ہدایت بن گیا۔ بے کسی اور یتیمی سے لے کر سلطانی تک انسانی زندگی کے تمام مراحل طے کر ڈالے۔ وہ ایک مزدور کی زندگی بھی بسر کرچکے تھے اس لئے مزدور کے حقوق و فرائض سے بخوبی آگاہ تھے۔ مزدوروں کو دنیا حقیر سمجھتی تھی لیکن سب سے پہلے اس نبی نے اعلان کیا کہ الکاسب حبیب اللہ۔ جائز پیشہ اور مزدوری سے روزی پیدا کرنے والا خدا کا حبیب ہے۔ خدا کا حبیب ہونے سے اونچا درجہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ ہر قسم کے مصائب اور مخالفت کے مقابلے میں اٹل صبر و استقلال، ناکامیوں میں کبھی مایوس نہ ہونا اور کامیابی میں نخوت و غرور کو نفس کے قریب بھٹکنے نہ دینا۔ دیانتداری اور حکمت عملی سے ایک کامیاب تاجر کے لئے مثال بننا۔ ایک معمر بیوہ سے شادی کر کے آخر دم تک محبت و وفا کی مثال پیش کرنا۔ کامیاب فاتح بن کر اذیت کیش سنگ دل مجرموں کو لا تثریب علیکم الیوم کہہ کر معاف کر دینا۔ صلح و امن کو اپنی مساعی کی غایت بتاتے ہوئے اگر جنگ کی ضرورت پیش آجائے تو شجاعت کی داد دیتے ہوئے بھی انسانیت کے اقدار کو نظر انداز نہ کرنا:

با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

ایک مقنن کی حیثیت سے ایسے عادلانہ قوانین پیش کرنا جن کی مثال اس سے قبل موجود نہ تھی۔ زندگی کا کونسا شعبہ ہے جس کی نسبت بنیادی ہدایت اس اُسوۂ حسنہ میں نہ مل سکے۔ یا رو اغیار کے ساتھ خوبی کا برتاؤ۔ اختلاف مسلک کے باوجود دوسری ملتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید۔ تمام افراد و اقوام کے لئے مذہب و ضمیر کی آزادی۔ لا اکراہ فی الدین کا اعلانِ عام۔ سوا ان امور کے جن میں خود فطرت نے تفاوت پیدا کر دیا ہے مردوں اور عورتوں کے حقوق و فرائض میں عام مساوات۔ حصول علم کی فضیلت اور اس کی ترغیب، افزونیِ علم کی

مسلسل کوشش اور دعا۔ ارتقائے حیات کا یہ تصور کہ جس شخص کے دو دن ایک جیسے رہے اور اس نے کسی اچھے پہلو میں ترقی نہیں کی تو وہ گھاٹے میں رہا۔ من استوا یوماہ فہو مغبونؐ۔ روحانیت، حکمت اور اخلاق کی اچھی باتیں ان سے پہلے بھی انبیاء و اولیاء و صلحاء و حکماء کہتے چلے آئے تھے لیکن ایمان و حکمت و عمل کی یہ جامعیت کہیں نہیں ملتی:

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰؑ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

نبوت ایسے ہی شخص پر ختم ہو سکتی تھی جس کی زندگی کسی پہلو میں تشنہ نظر نہ آئے جو مزدور و کسان کے لئے بھی نمونہ ہو اور حاکم و حکیم کے لئے بھی۔ جو پیکارِ حیات اور اضدادِ افکار و جذبات میں صلح جوئی اور وحدت آفرینی کے ڈھب صرف نظری طور پر نہ بتلائے بلکہ نصب العین کو عملی جامہ پہنا کر افراد و اقوام کے لئے بلند ترین نمونہ پیش کرے۔ اس جامعیت کا انسان نہ تاریخ عالم نے بعثتِ محمدیؐ سے پہلے پیش کیا اور نہ آئندہ اس کا امکان ہے۔ محض افکارِ عالیہ کے مقابلے میں زندہ عملی مثال کہیں زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ انسانوں کے اخلاق اچھے نمونوں سے متاثر ہو کر عمدہ سانچوں میں ڈھلتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اچھے نمونے محمدؐ رسول اللہ ہی کی زندگی میں مل سکتے ہیں۔ ایسے ہی انسان کو انسانِ کامل کہہ سکتے ہیں جس کا کمال ہر شعبۂ زندگی میں نظر افروز اور ہمت افزا ہو اور جس کی جامعیت سے انسانیت کا کوئی شعبہ خارج نہ ہو۔

الدّین یسُر

مصنفہ محمد جعفر پھلواری

دین کو ہماری تنگ نظری نے ایک مصیبت بنا دیا ہے ورنہ حضور اکرمؐ کے فرمان کے مطابق دین آسان سی چیز ہے۔ اسی بحث پر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اس میں بہت سے مسائل ایسے بھی آگئے ہیں جو اب تک اُلجھے ہوئے تھے۔ تمام آسانیاں خدا اور اس کے رسول حکیم کی طرف سے ہیں اور تمام تنگیاں مسلمانوں کی غلط انگاری نے پیدا کی ہیں۔ صفحات ۳۶۸۔ قیمت -/۶ روپے۔

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور